اِنسدادِ مُنکرات بِالیَدْ

نعیم صدیقی

بار بار یہ بحث چھڑی کہ انسدادِ منکرات کی مہم کیسی رہی۔ مختلف اصحاب نے واقعات بھی بیان کیے، پریشانی کا اظہار بھی کیا، مگر ان ساری باتوں کو الگ رکھ کر میں اصولی طور پر حدیث پاک کے اس حصے پر مختصر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ:

مَنْ رَأَی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ..... الخ

یعنی حدیث شریف میں منکر کو ہاتھ سے مٹانا، پھر زبان سے مٹانا، پھر قلب میں اس کو بُرا سمجھنا، یہ سب مدارج بیان ہوتے ہیں اور کوئی شخص جو مومن ہو اس کے لیے لازم ہے کہ منکر یا بُرائی یا غلط امور کے متعلق ان تین میں سے کسی نہ کسی درجے پر ہو اور بالاتر درجے کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اصل نتیجہ خیز اور عملاً مؤثر قوت "ید" ہی کی ہے۔

میں ایک کوتاہ علم آدمی ہوں۔ قرآن اور حدیث کے احکامِ خاص اور معرکہ آرا مباحث کے بارے میں نہ صرف درس و مطالعہ کے ایک دورِ طویل سے گزر کر میں نے بتوفیقِ الٰہی اصل مغز و مقصد یا تاویلِ صحیح کو سمجھ لیا ہے بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر ہزار تشکر و تذلل کے جذبے سے یہ بات بھی عمر کے آخری حصے میں کہنا چاہتا ہوں کہ مسائل جب سامنے آتے ہیں تو ذہن سے چند اشارات اس طرح اُبھرتے ہیں جیسے کسی بورڈ پر سرخ و سبز و نیلی بتیاں جلتی ہیں، اور ان کی مدد سے میں تھوڑے سے مطالعہ اور تھوڑے سے تفکر سے کوئی اہم راز پالیتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ خدا کی ذرا سی اشاراتی رہنمائی سے (جو شاید کچھ نہ کچھ ہر مومن کو حاصل ہوتی ہے،

بشرطیکہ وہ توجہ کرے اور دل کی فریکوئنسی کو ملاء اعلیٰ کی فریکوئنسی سے ہم آہنگ رکھے ۔ میرے بعض حل کردہ مسائل قدرے تفرد[1] کا رنگ رکھنے کے باوجود نصوصِ دین اور حکمتِ دین کی کسوٹی پر غلط نہیں نکلے ۔ مگر اللہ معاف کرے کہ یہ تحدیثِ نعمت کے عاجزانہ موقف سے آگے بڑھ کر کوئی تعلّی یا کوئی دعویٰ ہو ۔ مَیں گناہوں کی ایک دَلدَل سے گزر کر مشکل سے ایک ایک قدم اُٹھا کر پھُولی ہوئی سانس کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہوں ۔ بس اُدھر سے مجھ پر اتنا کرم ضرور ہے کہ میرے سامنے کچھ دُوری پر سخت تاریک رات میں ایک سبز مشعل جھلملا رہی ہے ۔ اور دوسری نوازشِ خاص یہ ہے کہ دِل نہ دَلدَل کے خوف سے یاس اندوز ہے ، نہ تاریکی کے ڈر سے حُزن کا شکار ! آدمی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے تو کس کا خوف اور کیسا غم !

متذکرہ حدیث اور اس کے تحریر کردہ جزو اوّل پر عالمانہ گفتگو کرنے کے لیے ضروری تھا کہ قرآن کی تفاسیر اور شروحِ احادیث کی مدد سے نکتہ بہ نکتہ بحث واستدلال کیا جاتا ۔ مگر یہ کام علماء کا ہے کہ وہ مدرسوں یا مناظروں یا فتووں یا تصانیف میں خواص کے لیے ایسی بحثیں کریں ۔ مَیں تو ایک عام آدمی ہوں اور عوام کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر سادہ طریق سے مسئلے کی پوری تصویر ان کو دکھا دینا چاہتا ہوں ، جیسے کوئی سرجن دِل کا آپریشن کرتے ہوئے سینہ کھول کر حضرتِ دل اور ان کے متعلقات کو اُٹھا کر ایک طشت میں الگ رکھتا ہے اور خلقِ خدا ٹیلی ویژن پر یہ منظر دیکھ رہی ہوتی ہے کہ سینے سے باہر رکھا ہوا دِل دھڑک رہا ہے ۔ میرے سامنے اصل معاملہ ڈیمانسٹریشن کا ہے جو عوام اور نوجوانوں کو بہت سی حقیقتیں خود ہی سمجھا دیتا ہے ۔

---

[1] یہ رنگِ تفرد اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ میری تحریروں میں یہ کسی صاحبِ نظر کو نہیں کھٹکا ۔ تفرد سے مراد یہ کہ سوچنے اور حل تک پہنچنے کے لیے میں اپنا ایک طریقہ استعمال کرتا ہوں ۔ مجھے علم کا ایک ذرّہ بھی جب کبھی ملا تو میں نے اُسے آفتاب بنا کر اور دسیوں ذرّات ڈھونڈ لیے ۔

اصل کام اسلاف کے جمع کردہ علمی اور استدلالی حقائق کو جمع کر کے طالب کی جھولی میں ڈال دینا نہیں، بلکہ اصل کام یہ ہے کہ حلِ مسائل کے لیے لوگوں کو تحقیق و تفکر کے طریق سکھں دیئے جائیں۔ یعنی انہیں علم کی راہ کا مسافر بنا دیا جائے، پھر کئی کئی منزلیں راہ میں آکر خیرمقدم کرتی رہیں گی۔

ہم لوگ جب پٹھانکوٹ (دارالاسلام) کے دور میں قرآن و حدیث کا درس لیتے، لٹریچر پڑھتے اور تحریکی اقدامات کے تقاضوں پر غور کرتے تھے تو اس زمانے میں ہم کو دوسری ضروری بنیادی تعلیمات کے ساتھ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا دائرہ کار بھی اچھی طرح سمجھنے کا موقع ملا۔ اور پھر ساری عمر کبھی خلجان نہیں ہوا۔ کبھی کوئی ٹیڑھ ذہن میں نہیں آئی۔ دین کے نقشے میں ہمیں انسدادِ منکرات کا نشان زدہ راستہ معلوم ہو گیا کہ وہ کدھر سے کدھر جاتا ہے اور راستے میں کیا کیا مہالک آدمی کی غلط فکر پیدا کر دیتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل کے تحریکی نوجوان کیوں فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ کا مفہوم نہیں جانتے ہیں، یا انہیں کوئی بتانے والا نہیں ہے۔ وہ کیوں ان مبادیات کو جانے بغیر میدان میں کود جاتے ہیں۔ اور پھر ایسی ایسی خرابیٔ احوال کا باعث بنتے ہیں کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ تحریک اب تک اپنی جو ساکھ (امیج) بنا چکی ہے، وہ برسوں کی کمائی ملیامیٹ ہو جائے گی۔ ایک آدمی شرافت کا درس دیتے دیتے اگر کسی دن اٹھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی آیتِ شرافت ہونے کی حیثیت یک لخت ختم ہوگئی اور اب اس کی ساری زندگی پر اس کا قتل ہونا چھا گیا۔

کمانڈر کا بھی یہ فرض ہوتا ہے کہ کسی بھی مہم کو اپنی فوج (خصوصاً نوجوانوں) کو بھیجتے ہوئے واضح اور متعین صورت پر مہم کا مقصد سمجھائیں، اس کی پالیسی کے خطوط متعین کریں۔ انہیں کرنے اور نہ کرنے کے امور اور طریقوں کے بارے میں تمام ضروری باتیں نوٹ کرائیں۔ سارا کام کارکنوں اور متفقوں و نوجوان طلبہ کے اجتہاد پر نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

"بِیَدِہٖ" کا غلط مطلب سمجھنے والوں نے دعوتِ اصلاح کے اپنے سارے پروگراموں کو بسا اوقات شدتِ جذبات اور محرومیتِ تفقہ کی وجہ سے تباہ کر لیا۔

ایک صاحب اُٹھتے ہیں اور کسی بھی شخص کا تہمد یا پائنچے قینچی سے کاٹ دیتے ہیں جو ٹخنوں کو چھو رہے ہوں۔ (یہ واقعاتی مثال ہے) میں نے بچشمِ خود ایک ایسے سفید ریش بزرگ کو دیکھا، جنہوں نے مسجد میں وعظ کیا اور اتباعِ سنت کی تلقین کی، اور پھر نماز کے بعد جلدی سے نکل کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جو شخص سامنے آیا اُس کی مونچھیں زیرو کی مشین سے صاف کر دیں۔ پہلے آدمی کو ٹوکا کہ یہ تم نے اتنی بڑی مونچھیں کیوں رکھی ہیں، اُس نے کہا: جی غلطی ہے، ابھی نائی کے پاس جاتا ہوں۔ بزرگ نے کہا کہ نائی کی کیا ضرورت ___ یہ کہہ کر انہوں نے زیرو کی مشین شیروانی کی جیب سے نکالی اور مونچھیں صاف۔ پھر یکے بعد دیگرے سب کا صفایا ہو گیا۔

نیک لوگوں کی ایسی پیاری پیاری حماقتوں کی بہت مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مگر آخر تحریک اقامتِ دین کے دائرے میں ایسی پیاری اور نورانی جذباتیت کا کیا کام۔

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ بیدہٖ کے معنی کیا ہیں۔ آپ ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ چوراہے پر کھڑا ٹریفک کا سپاہی ہاتھ اُٹھاتا ہے تو ایک طرف کی گاڑیاں رُک جاتی ہیں۔ پھر وہ ہاتھ کو دوسری طرف جنبش دیتا ہے تو کسی اور طرف کی گاڑیاں رُک جاتی ہیں اور رُکی ہوئی چلنے لگتی ہیں۔ آپ ہاتھ ہلاتے رہیں، شور مچاتے رہیں، کچھ نہ ہو گا۔ آپ کے پاس "قوتِ ید" نہیں جو کانسٹیبل کے پاس ہے۔ یہ قوتِ ید اقتدار کے مرکز سے تقسیم ہو کر جگہ جگہ کام کرتی ہے۔ ریلوے گارڈ جھنڈی ہلاتا ہے تو گاڑی چل پڑتی ہے، دوسری ہلاتا ہے تو رُک جاتی ہے۔ آپ دسیوں جھنڈیاں ہلاتے رہیں، کچھ نہ ہو گا۔

جنابِ من! آپ ذرا سا غور کیجیے کہ آیا اسلام کے مکّی دَور کے ۱۳ سال میں یہ امکان نہ تھا کہ حضورؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے صحابہؓ روز دو چار بُتوں کو حرم میں جا کر کبھی علانیہ اور کبھی چوری چھپے توڑ دیتے اور دل میں مطمئن ہوتے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے انسدادِ منکرات کر رہے ہیں اور طاغوتی مجسموں کو ختم کر کے شرک پہ ضرب لگا رہے ہیں۔ کیا ایک بھی مثال ایسی ہے؟ حرم میں بُت موجود رہے، ان کا بال تک بینکا نہیں ہوا۔ حضورؐ ان بُتوں کی موجودگی میں نمازیں ادا کرتے اور رکوع و سجود کرتے۔ اس لیے کہ ابھی

وہ قوتِ "ید" حاصل نہیں تھی جو انسدادِ منکرات کر سکتی - بلکہ جبراً ایسے اقدامات کرنے سے مکہ کی عمومی تعذیب شدید کے بجائے جان لیوا جنگ چھڑ جاتی اور نہ صرف مٹھی بھر مسلمان ختم ہو جاتے بلکہ سرے سے دعوتِ حق کی جاذبیت باقی نہ رہتی - البتہ بعد کے مدنی دور میں جب قانون اور تلوار کی قوت مسلم جماعت کو مل گئی تو پھر اُنہوں نے خداوندانِ منکرات کو میدانِ جنگ میں بھی اور میدانِ عدلیہ میں بھی پچھاڑا - فتح مکہ کے موقع پر مجرم انسانوں کو تو معاف کر دیا مگر حرم کے بُتوں کا صفایا کر دیا۔

دراصل ابتدائی حالات میں زیادہ تر کام لسانی دعوت و تلقین سے لیا جاتا ہے تاکہ لوگ آہستہ آہستہ برائی کے نظام اور غلط مظاہر و رسوم کے خلاف اجتماعی قوت پیدا کریں - اور اس دور میں کچھ لوگ ایسے حالات میں بھی گھرے ہوئے دل سے برائی سے نفرت کرنے لگتے ہیں - مگر اپنی باطنی کمزوریوں کی وجہ سے، یا مخالفین کی مار دھاڑ سے ڈر کر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر باللسان کے مقام تک پہنچنے میں دیر کرتے ہیں، مگر دل میں جب باطل کے خلاف نفرت کی چنگاری دہکنے لگتی ہے تو ایک دن آتا ہے کہ اس کی حرارت ان کی زبان سے اور بعد کے کسی مرحلے میں ان کے "ید" سے ظاہر ہو - لسانی دعوت پہلے منکرات کے خلاف فضا تیار کرتی ہے - مثلاً آپ محلے کی مسجد کے پاس ایک سنڈاس (فلتھ ڈپو) دیکھتے ہیں - ایک صورت تو یہ ہے کہ جو بھی وہاں گندگی پھینکنے آئے آپ اس سے بھڑ جائیں اور جو اُٹھانے والے ملازمین آئیں اُن سے بھی ٹکرا جائیں - دوسری شکل یہ ہے کہ آپ آہستہ آہستہ مسجد کے لوگوں کو سمجھائیں کہ کسی عبادت گاہ یا خدا کے گھر کے سامنے ایسی خرابی نہیں ہونی چاہیے - پھر محلے کے چوہدریوں سے ملیں، کسی ٹیچر سے، پٹواری سے، حکیم سے، تعلیم یافتہ نوجوانوں سے، نمبردار سے، اور سب کو محبت و نرمی سے سمجھائیں کہ یہ صورت مناسب نہیں - علاوہ ازیں اگر ضرورت ہو تو بلدیہ یا کمیٹی کے دفتر میں جا کر کسی نیک دل افسر سے ملیں اور ان سے بطور افہام و تفہیم بات کریں - اس لسانی جہاد کے نتیجے میں آپ دیکھیں گے کہ دو تین ہفتوں میں ایک قوت جمع ہو گئی ہے - جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو دفتر سے بھی آپ

کو منظوری مل جائے گی اور محلہ کی طاقت بھی جمع ہو جائے گی۔ اب گویا مدینہ والی صورت کے مماثل حالات پیدا ہو گئے۔ اب کوئی وہاں کوڑا نہیں پھینکے گا۔ اب اس کا بیڑا اُٹھایا جائے گا۔ اتنی محنت کے بغیر آپ محلہ میں کچھ نہیں کر سکتے تو ملک گیر پیمانے پر کیا کریں گے۔ پہلے ضمیروں کی قوت اپنے ساتھ جمع کیجیے اور دیکھیے کہ سب ۸۰، ۷۵٪ لوگ آپ کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔

ہم نے بچپن میں اپنی دیہی آبادیوں میں دیکھا کہ یکایک ایک آواز اُٹھتی کہ اس گاؤں یا اُس گاؤں کے فلاں گھر میں کل ایک بے نکاحی عورت آئی ہے۔ معاشرے کا پہلے سے بنا ہوا دباؤ اتنا سخت تھا کہ ایسی عورت کو کوئی آدمی رکھ نہیں سکتا تھا اور وہ ٹک نہیں سکتی تھی۔ یا کسی شخص نے رمضان میں روزہ شکنی کی اور راز کھل گیا۔ پوری آبادی اس کو دباؤ ڈال کر کس دیتی تھی۔

سو جب تک کم سے کم اتنا دباؤ معاشرے اور اس کی رائے عام کا کسی خاص مظہرِ منکر کے خلاف آپ پیدا نہ کر لیں، آپ دعوت و تلقین کی حد تک آگے نہیں جا سکتے۔ اور اصل منزل تو ریاستی قوت اور قانونی قوت ہاتھ میں آنے کے بعد ملے گی۔

اس بحث میں ایک صورتِ استثنا بھی ہے۔ ہر شخص، ہر مرد و عورت کسی نہ کسی دائرے میں راعی (حاکم) ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے گھر میں افرادِ خانہ کی پہلے اچھی طرح تعلیم و تربیت کر کے ان کو ہم آہنگ کرے، پھر اُن کے مشورے سے گھر میں کوئی بھی اصلاح "بالید" کرے تو معاملہ درست رہے گا۔ وہ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اب سے حرام رزق اِس گھر میں نہیں آئے گا، سو وہ نہیں آئے گا۔ حرام کی کوئی چیز موجود ہے تو وہ اسے اُٹھا کے اصل مالک کے حوالے کر دے گا یا کوئی مالک نہ ہو تو تلف کر دے گا۔ اسی طرح وہ گھر کی تربیت یافتہ رائے عام کے تعاون سے یہ اقدام کر سکتا ہے کہ دیوار پر ٹنگی ہوئی ایک تصویر کو اُتار کر پھینک دے۔ یا سب مل کر یہ فیصلہ کر لیں کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے سازوں کی آواز نہیں سنی جائے گی۔ یا یہ کہ ٹیلی وژن پر ایسے مناظر نہیں دیکھے جائیں گے جو صریح طور پر ممنوع ہوں۔ یا یہ کہ سرے سے ہم اب ٹیلی وژن

رکھیں گے ہی نہیں۔ یا فلم نہیں دیکھیں گے۔ اسی طرح بچوں کے لیے قاعدہ مقرر ہو جاتا ہے کہ آپس میں یا محلہ کے بچوں سے گالم گلوچ اور ہاتھا پائی نہیں کریں گے۔ اسی طرح ایک گوالا اپنی بھیڑوں کے متعلق یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ کب کونسی اور کتنی بھیڑیں بیچ دے یا خرید لے، ان کے لیے ایک باڑہ ہو یا دو باڑے ہوں۔ ان میں سے ہر ہفتے جس ایک کو چاہے اپنے لیے ذبح کرے۔ وہ ان پر لاٹھی سے اپنا حکم چلا سکتا ہے۔ کسان اپنے بیلوں کے بارے میں فیصلے کرسکتا ہے، جدھر سے چاہے روکے، جو کام لینا چاہے لے اور جب ضرورت ہو سانٹا استعمال کرے یک ان کے کھیت میں داخل ہونے سے روک دے۔ اسی طرح کاروبار کا مالک اپنے کاروبار کے متعلق بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے۔

مجھے یہ بھی تسلیم ہے کہ موجودہ عالمی دورِ جمہوریت میں (مجھے مغربی جمہوریت کے اس تصور سے سخت کراہت ہے جو اپنی بدترین شکل میں یہاں نافذ ہے) کوئی گروہ یا طبقہ یا جماعت کسی خاص برائی کے خلاف شائستہ (داعیانِ حق کے شایانِ شان) مظاہروں سے فضا کو تیار کرنے کا کام کرسکتا ہے۔

لیکن اگر کوئی گروہ ایسی تمام چیزوں کو اپنے ہاتھ سے محو کرنے کے لیے بازاروں میں نکل کھڑا ہو جن کے متعلق شہریوں کی اکثریت کا ذہن بنا ہی نہیں، وہ لوگوں کے لیے اذیت اور اپنے لیے شدید مشکلات اور کارِ دعوت میں شدید رکاوٹیں پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔ یعنی کمانے گئے نیکی، اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔

دین یا شریعت کا کام کرنا ہو تو پہلے دین یا شریعت کو سمجھیے، ہر حکم اور ہر پابندی کا مفہوم تفصیل سے سمجھ کر اس کا اطلاق زندگی پر کیجیے۔ دین کا کام نعرہ بازی، مجمع بازی، شور مچانے، اُچھلنے کودنے، اور لوگوں کے ذہن و ضمیر کی تیاری کے بغیر ان کے املاک اور ان کی پسندیدہ متاع پر حملے کرنے کا نام نہیں۔

یہ غیر دینی تحریکوں کے طریقے ہیں۔